دینی مدارس کا نظام ونصاب۔ڈاکٹر محمود احمد غازی کے افکار سے استفادہ

* ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی

دینی مدارس اور ان کا نظام ونصاب تعلیم ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی دلچسپی کا ایک اہم میدان رہا ہے۔آپ زندگی بھر اس جہد مسلسل میں لگے رہے کہ دنیائے اسلام میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص دینی واسلامی تعلیم کا ایک جامع اور متوازن نظام وضع کیا جائے۔اس سلسلہ میں آپ نے تحریر وتقریر ہر دو ذریعوں سے بھرپور کوشش کی۔علاوہ ازیں ایسے رجال کار تیار کرنے پر بھی محنت کی جو آپ کی اس فکر کو نہ صرف زندہ رکھیں بلکہ ملک میں اس کے نفاذ کے لئے کوشاں رہیں۔

روایتی اسلامی تعلیم یا مدرسہ کا نظام اور نصاب تعلیم، دینی اور دنیوی علوم میں باہمی تعلق، غرض اس طرح کے بہت سے ایسے موضوعات ہیں جن پر گذشتہ ایک صدی سے گرما گرم بحث مسلمانوں اور مغربی فلسفیوں کے مابین جاری ہے۔ان معاملات پر مغربی میڈیا ایک خاص زاویے کو سامنے لایا ہے جو کہ اصل حقیقت سے خاصا دور ہے۔مدارس کے نظام اور نصاب تعلیم سے متعلق بہت سارے شبہات پیدا کیے گئے۔مثلاً یہ کہ اس نظام تعلیم کی دنیا اور اس کے معاملات کے ساتھ مطابقت نہیں اور جدید ادارے دنیوی معاملات معیشت ومعاشرت چلانے کے اصل حقدار ہیں۔ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے ان تمام امور کی طرف اہل علم کی توجہ دلائی اور بذات خود ان شبہات وسوالات کے جواب دینے کی کوشش کی

دینی اور دنیوی علوم کی تفریق:

ڈاکٹر غازی دین ودنیا کی تفریق کے نظریے کو اسلام کے لیے نہایت خطرناک تصور کرتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں بارہ تیرہ سو سال تک کوئی ایسی صورتحال پیدا نہیں ہوئی جہاں علوم وفنون میں دین ودنیا کی تفریق اور دوئی پائی جاتی ہو، اور وہاں کبھی ثنویت کے نظریے کو پذیرائی ملنے کی نوبت نہیں آئی۔فکری یکجہتی، نظریاتی ہم آہنگی اور معاملات کو دیکھنے کا موحدانہ نقطہ نظر ہی جاری وساری رہا۔دنیائے اسلام کے باہر سے بھی جو علوم وفنون اور کوئی فکری چیز مسلمانوں میں آئی، وہ یونانی علوم وفنون ہوں، یا آتش پرستوں اور ہندوؤں کے، ان سب کو مسلمانوں نے اپنے رنگ میں ایسے رنگ لیا اور اسلامی فکر ان میں اس طرح جاری وساری کر دی کہ بعد میں یہ اندازہ لگانا مشکل ہو گیا، کہ کونسی چیز غیروں کی طرف سے آئی تھی اور کونسی

* اسسٹنٹ پروفیسر/کوآرڈی نیٹر، درس نظامی پروگرام، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

چیز خود مسلمانوں کی فکری وتہذیبی عطا تھی۔ ڈاکٹر صاحب اس سلسلے میں منطق کی مثال پیش فرماتے ہیں۔ یونانی منطق ایک غیر اسلامی ماحول میں شروع ہوئی۔ مگر جب وہ دنیائے اسلام میں داخل ہوئی تو مسلمانوں نے اس کو اس طرح از سر نو مرتب کر کے اسلامی علوم وفنون سے ہم آہنگ کر لیا کہ آج امام غزالیؒ اور امام رازیؒ جیسے اکابر اسلام کی تحریریں دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی وقت ایسا بھی تھا کہ ان علوم وفنون کا اسلامی علوم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ آج یونانی علوم ومنطق پڑھے بغیر امام غزالیؒ اور امام رازیؒ جیسے اکابر کی کتابیں پڑھنا اور سمجھ لینا ممکن نہیں۔ (۱)

ڈاکٹر غازی صاحب نے بالعموم دنیائے اسلام اور بالخصوص برصغیر کے تناظر میں یہ دیکھا کہ مسلمانوں میں تعلیمی اور نصابی دوئی اور تمام طبقات کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے امت مسلمہ فکری طور پر کئی حصوں میں بٹ گئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ گزشتہ دو اڑھائی سو سال کی تاریخ کا ہم جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ شاید مسلمانوں نے اپنی اس روایت کا دامن چھوڑ دیا، یا کم از کم اسے اس طرح باقی نہیں رکھ سکے جیسے صدر اسلام میں اکابر اسلام نے قائم کیا تھا۔ مغربی علوم کے بارے میں مسلمانوں کا رویہ شروع میں تشکک، تامل اور احتیاط کا رہا اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے ملک میں دینی طبقات کی جو "مین سٹریم" (Mainstream) تھی (جو اس وقت مین سٹریم کہلاتی تھی) وہ ان علوم وفنون کا ساتھ نہیں دے سکی۔ یہ قافلہ ایک رخ پر چل نکلا اور وہ ایک دوسرے رخ پر چلتے رہے۔ اس کا نتیجہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسے دو مختلف اور آزاد روجحانوں کی شکل میں نکلا جن کا اب ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایک دوسرے کی زبان ہی نہیں سمجھتے۔ ایک دوسرے کی اصطلاحات سے واقف نہیں، ایک دوسرے کے پیش کئے ہوئے سوالات کے جوابات دینے کے قابل نہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی ایک تقریر میں اس کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ دور جدید کا آدمی جس فریکوینسی پر بات سمجھتا ہے، عالم اس فریکوینسی پر آپریٹ نہیں کرتا۔ اب اس پیغام کو دور جدید کے آدمی تک پہنچانے کی ایک شکل تو یہ ہے کہ پوری دنیا کے لوگوں کو اسلامی علوم پڑھائے جائیں جو بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے۔ دوسری شکل یہ ہوسکتی ہے کہ جس طرح امام غزالیؒ اور امام رازیؒ نے اپنے اپنے زمانہ میں منطق اور فلسفہ پڑھا تھا، علمائے کرام بھی چند ضروری اور جدید علوم کو اس حد تک پڑھ لیں کہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ دور جدید کا آدمی جس اسلوب اور جس زبان میں سوال کرتا ہے اسی اسلوب اور اسی زبان میں اسے جواب دیا جاسکے۔ جدید دنیا میں اگر قوت محرکہ اور قوت نافذہ کے طور پر اسلام کا وجود باقی رہنا ہے اور (یقیناً رہے گا) تو اس کے لئے ایسے افراد کا وجود ناگزیر ہے۔ (۲) امت مسلمہ کے لئے دو الگ الگ جدولوں کے نقصان کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ دو متوازی جدولوں کا وجود ہمارے ملک میں خاص طور پر اور دنیائے اسلام میں عام طور پر دین ودنیا میں تفریق کے نظریہ کو فروغ دے رہا ہے اور یوں سیکولرازم کے غیر اسلامی تشخص کو پروان چڑھا رہا ہے۔ سیکولرازم کا مقصد یہ ہے کہ دینی

تعلیم اور مذہبی ہدایت ورہنمائی کو زندگی کے عملی میدان سے نکال دیا جائے جیسا کہ مغرب میں ہوا ہے اور دوسرے کئی ممالک میں ہورہا ہے۔ ہمارے ملک میں تعلیم کے ان دو متوازی نظاموں کی وجہ سے اس کو مزید مہمیز مل رہی ہے۔ تعلیم کے ایک نظام کا دائرہ صرف مسجد تک محدود رہے اور دوسرا نظام، زندگی کے بقیہ سب پہلوؤں کو چلاتا رہے تو اسی کو سیکولرازم کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے عملاً سیکولرازم ہمارے ملک میں آچکا ہے۔ ڈاکٹر غازیؒ فرماتے ہیں:

''اور اگر گستاخی نہ ہو تو یہ میں بھی عرض کرنے کے لئے تیار ہوں کہ علماء کے اس رویے سے سیکولر ازم کو فروغ ملا ہے۔''

سیکولرازم کی نظریاتی بنیاد کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں وہ فرماتے ہیں کہ وہ بنیاد موجودہ بائبل میں مندرج ہے (کس نے اور کب اس جملے کا اندراج کیا اللہ ہی بہتر جانتا ہے) کہ ''جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے دو اور جو اللہ کا ہے وہ اللہ کو دے دو'' اگر یہ سیکولرازم کی بنیاد ہے تو پھر یہ بھی سیکولرازم ہے کہ جو مذہبی تعلیم ہے وہ مسجد میں ہو اور جو غیر مذہبی تعلیم ہے وہ مسجد سے باہر ہو۔ مسجد سے باہر دی جانے والی تعلیم معاشی، معاشرتی اور سرکاری نظام چلا رہی ہو اور مسجد کی تعلیم کا دنیا کے ان مشاغل سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یہی سیکولرازم ہے۔ (۳)

ایک موقع پر آپ نے نہایت دلسوزی سے فرمایا کہ اگر دینی قیادت پر فائز حضرات کا خدانخواستہ تصور سیکولر ہی ہے کہ مذہب اہل مذہب کے لئے ہے اور دنیا اہل دنیا کے لئے ہے، قیصر کو قیصر کی چیز دے دو اور پادری کو پادری کا علاقہ دے دو تو پھر بے شک دین و دنیا کی تفریق کے اس ابلیسانہ تصور پر کاربند رہیے۔ اگر نعوذ باللہ، ان اداروں کے قیام سے یہی مقصد پیش نظر ہے، تو پھر یاد رکھئے کہ لادینیت کا یہ نظام اسی طرح چلتا رہے گا۔ اگر آزاد اسلامی جمہوریہ پاکستان میں دینی تعلیم کا مقصد پاکستان کی تمام دینی ضرورتوں کی تکمیل نہیں ہے تو میں اپنے دل کے زخموں سے مجبور ہو کر سخت لفظ کہنے پر اپنے کو مجبور پاتا ہوں۔ وہ یہ کہ پھر سوچا جانا چاہئے کہ کیا ایسی دینی تعلیم کی ضرورت بھی ہے کہ نہیں؟ اگر پاکستان کی موجودہ دینی تعلیم، پاکستان کو، پاکستان کے مسلمانوں کو اور پاکستان کے اداروں کو اسلام کے مطابق نہیں ڈھالنا چاہتی اور ڈھالنے کے لئے رجال کار تیار کرنے کے لئے آمادہ نہیں تو پھر دینی تعلیم کی ضرورت پر از سر نو غور کر لینا چاہئے کہ اس کی ضرورت بھی ہے کہ نہیں۔ (۴)

درس نظامی اور اس کے اہداف:

درس نظامی کے نصاب کے متعلق ایک مرتبہ فرمایا: سوال یہ ہے کہ درس نظامی کا یہ نصاب ملا نظام الدین سہالویؒ مرحوم ومغفور نے کیوں اور کس مقصد کے تحت مرتب کیا تھا؟ اس پر اگر ذہن صاف ہو اور تاریخی حقائق سامنے ہوں تو یہ بات واضح

ہو جائے گی کہ برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں (جس کو آپ برصغیر کی اسلامی تاریخ کا دور زوال اور دور انحطاط بھی کہہ سکتے ہیں) ریاستی نظام چلانے ،اسلامی عدالتوں کو قاضی ،مفتی اور مقنن فراہم کرنے کی خاطر یہ نصاب تیار کیا گیا تھا۔ یہ زمانہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ابتدائی دور تھا۔ جب اٹھارویں صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ عالم سے دیوانی خرید لی تو کمپنی کے زیر انتظام صوبوں کے بارے میں یہ شرط رکھی گئی کہ وہاں کا نظام بدستور فقہ حنفی کے مطابق چلتا رہے گا۔اس نظام کے لئے کمپنی کے کارپردازوں نے بھی اپنے اہتمام میں درس نظامی کے کئی ادارے قائم کیے۔ یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کے مکمل اور حتمی سقوط تک جاری رہا۔ بہر حال اس کے بعد چونکہ یہی نصاب موجود تھا ،اور اس نصاب کے تیار کردہ علماء دستیاب تھے ،اس لئے جب دار العلوم دیو بند اور دوسرے مدارس قائم ہوئے تو انہوں نے اسی نصاب کو قابل عمل پایا اور اس کو اختیار کر لیا۔لیکن دار العلوم دیوبند کے قیام کے بعد خود اس نصاب کو ''حقیقی درس نظامی'' نہیں رہنے دیا گیا۔آج کا رائج الوقت درس نظامی اصل درس نظامی سے بہت مختلف چیز بن چکا ہے۔لیکن تاریخی تسلسل میں اگر اس کو درس نظامی کہا جائے تو اس میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔(۵)

درس نظامی کے اہداف سے متعلق اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ ان اداروں کا بنیادی مقصد، دینی علوم کے محققین ، محدثین ،مفسرین ،فقہاء ،مبلغین اور عربی دان پیدا کرنا ہے۔ان اداروں کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ان میں محدثین ،مفسرین ، متکلمین ،اور فقہاء اسلام کے بجائے کمپیوٹر کے ماہرین پیدا ہوں۔ یہ دینی تخصص کے ادارے ہیں اور انہی رجال کار کی تیاری کے ادارے رہیں گے۔لیکن ہم سب لوگ فرداً فرداً یہ بات محسوس کرتے ہیں کہ دینی مدارس کے متخصصین ،علماء،فقہاء،محدثین مفسرین کو عصر حاضر میں اپنے تخصص کو عام لوگوں تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔اس تخصص کے مطابق ،ملکی نظام کو ڈھالنے اور اس کے مطابق ملک کے مختلف اداروں کی تشکیل نو کے لئے بعض ایسی جزوی ،معنوی تبدیلیوں ،یا جامع علوم اور مہارتوں کی ضرورت ہے جس کے بغیر دور جدید میں دینی تعلیم کے تقاضوں پر کما حقہ عمل درآمد نہیں کیا جا سکتا۔اس نظام کا ہدف آپ کی رائے میں یہ تھا کہ ایسے اہل علم اور ایسے علماء تیار کیے جائیں جو ایک طرف اسلام کی تعلیمات کو کما حقہ گہرائی اور تعمق کے ساتھ سمجھتے ہوں ، اخلاق و کردار میں ائمہ سلف کی تعلیم اور اسوہ حسنہ کا نمونہ ہوں اور دوسری طرف وہ دور جدید اور نئی تعلیم کے تحدیات Chalenges کو ایک ناقدانہ انداز میں سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔(۶)

ان دونوں پہلوؤں کی تفہیم کے لیے آپ دو مثالیں اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔ایک امام محمد کی مثال ذکر فرماتے ،کہ اگر امام محمد کی کتابیں نہ ہوتیں تو امام ابو حنیفہ کے اجتہادات کا نوے فی صد حصہ ہم تک نہ پہنچ سکتا۔امام محمد بن حسن الشیبانی جب اپنی کتابیں مرتب فرما رہے تھے ،تو انہوں نے یہ اہتمام کیا تھا کہ اپنے وقت کا کچھ حصہ بازار میں گزاریں۔اور مختلف تجارتی

وبازاری سرگرمیوں کا بذات خود جائزہ لیتے رہا کریں تا کہ ان کو یہ پتہ چلے کہ کاروبار کس طرح ہوتا ہے اور کس طرح کے مسائل ومشکلات کا کاروباری طبقے کو واسطہ پڑتا ہے؛ تا کہ اسلامی فقہ کی تدوین میں ان مسائل ومشکلات کا خیال رکھا جا سکے۔ بعد کے فقہاء کرام نے بھی اس رائے کا اظہار کیا ہے۔ کہ "من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل" یا "لیس بفقیه" یعنی جو اپنے زمانے کے حالات نہیں جانتا اس کو فقیہ بننے کا حق نہیں۔ دوسرے لفظوں میں جو فقیہ بننا چاہتا ہے، تو جہاں وہ اسلامی علوم میں گہری بصیرت رکھتا ہو وہاں اس کو زمانے کے حالات میں بھی گہری بصیرت رکھنی چاہیے۔ ڈاکٹر غازیؒ صاحب کے خیال میں یہ وہ بنیادی تصور تھا جس پر اسلامی فقہ اور اسلامی علوم وفنون کی تدوین کا دارومدار رہا۔ (۷) دوسری مثال میں وہ حضرت عمرؓ کا ذکر فرماتے کہ آپؓ نے ایک مرتبہ کسی کو ایک خاص ذمہ داری پر فائز کرنے کیلئے اپنے ساتھیوں سے مشورہ مانگا، ایک صاحب کے بارے میں انہیں کہا گیا کہ وہ بہت متقی، پرہیزگار ہیں اور اتنے نیک ہیں کہ "کانه لا یعرف الشر" (گویا کہ وہ شر کو جانتے ہی نہیں)۔ حضرت عمرؓ نے فوراً جواب دیا کہ مجھے ایسا آدمی نہیں چاہئے جو شر کو نہیں جانتا اس لئے کہ "من لم یعرف الشر یوشک ان یقع فیه" لہٰذا معلوم ہوا کہ شر سے بچنے کیلئے شر کو جاننا ضروری ہے۔ (۸)

دینی مدارس اور ملکی تقاضے:

پاکستان میں دینی مدارس کی خدمات اور ذمہ داریوں سے متعلق آپ نے فرمایا کہ دینی مدارس ایسی فلاحی خدمت کر رہے ہیں جس کا مقابلہ پاکستان میں کسی بھی بڑے سے بڑے فلاحی ادارہ سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پورے پاکستان کے غریب ترین طبقے کے کم وبیش پندرہ لاکھ بچوں کو تحفظ، خوراک اور کم سے کم دینی تعلیم دے رہے ہیں۔ اس سارے کام کا سرکاری خزانہ پر کوئی بوجھ نہیں ڈالتے۔ لوگوں میں خواندگی کو فروغ دے رہے ہیں، غریب طبقے کے بچوں کو سنبھالا دے کر معاشرے کی مین سٹریم میں داخل کر رہے ہیں۔ (۹)

ملکی تقاضوں کے حوالہ سے دینی مدارس کی ذمہ داریوں سے متعلق ڈاکٹر صاحب کا خیال یہ ہے کہ ہماری دینی تعلیم کے متخصصین، محدثین، مفسرین اور فقہاء پیدا کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنایا جائے۔ پاکستان کے مسلمانوں کو صحیح مسلمان بننے میں مدد دی جائے۔ امت مسلمہ کی تشکیل صرف ان خطوط پر ہو جو قرآن وسنت میں بیان ہوئی ہیں۔ اگر یہ مقصد ضروری ہے تو بجا طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بینکاری کے نظام کو اسلامی خطوط پر ڈھالنے کے لئے ہمیں ایسے ماہرین کی ضرورت نہیں ہے جو صحیح معنوں میں فقہی تخصص اور تعمق رکھتے ہوں، اور جدید بینکاری کے نظام سے بھی ضرورت کی حد تک واقف ہوں؟ میں یہ نہیں کہتا اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ خدانخواستہ فقہ، حدیث کی تعلیم ختم کر کے ان کو بینکار

اور اکانومسٹ بنا دیا جائے۔ بینکار اور اکانومسٹ الگ رہیں گے، ان کو بھی شریعت اور اسلام کا بنیادی فہم دینے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ ماضی اسلام کے متخصصین نے کیا۔ اس لئے ان فنی مہارتوں کی ہر دور کے لحاظ سے ضرورت اور اہمیت بدلتی رہتی ہے۔ آپ نے سیرت رسول ﷺ سے ایک مثال کو ذکر فرمایا کہ ایک زمانہ منجنیق کا تھا۔ آپ ﷺ نے چند صحابہؓ کو یمن بھیجا تا کہ منجنیق بنانا سیکھ کر آئیں اور وہاں سے لے کر بھی آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے طائف کے معرکہ میں اسے استعمال بھی فرمایا۔ صحابہ کرامؓ نے یمن کے عیسائیوں سے اس کی تعلیم سیکھی اور پھر آ کر اس مہارت کو طائف کی فتح میں استعمال فرمایا۔ (۱۰)

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور امام ابن تیمیہؒ نے السیاسۃ الشرعیہ میں لکھا ہے کہ ایسی تمام مہارتوں اور تخصصات کا حاصل کرنا مسلمانوں کے ذمے فرض کفایہ ہے، جن کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان، غیر مسلموں کے محتاج بن کر رہیں۔ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محتاجی سے بچانا اور ان کو اپنے تمام دینی و دنیوی معاملات میں خود کفیل بنانا یہ مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے۔ (۱۱)

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے دیندار طبقہ کی اس کمزوری کی طرف بھی توجہ دلائی جس کے سبب مغرب زدہ طبقہ سالہا سال سے ان پر تسلط کیے ہوئے ہے چنانچہ اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ جدید علوم آج غیر مسلموں کا ہتھیار ہیں۔ انہی ہتھیاروں سے مسلمانوں کا وہ طبقہ جو غیر مسلموں سے متاثر ہے کام لے کر ہم پر حکومت کر رہا ہے اس بارے میں ہمیں فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم نے کیا کرنا ہے۔ آج قیادت جس طبقے کے ہاتھ میں ہے وہ طبقہ ایک خاص انداز کا تربیت یافتہ ہے۔ اس نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے خصوصی ادارے بنا رکھے ہیں۔ وہ آپس کے اختلافات کے باوجود ان اداروں کو مضبوط، مؤثر اور ترقی یافتہ بنانے کے لئے پوری دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ جب ان کی تعلیم مکمل ہو جاتی ہے تو وہی ہم پر حکومت بھی کرتے ہیں۔ پچھلے ڈیڑھ دو سو برسوں سے یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اب ایک صورت تو یہ ہے کہ جیسے یہ سلسلہ چل رہا ہے، اس کو آپ چلنے دیں دوسری شکل یہ ہے کہ آپ اس طبقے کے اسلحے سے اس کا مقابلہ کریں اور جس اسلحے سے کام لے کر وہ طبقہ اسلام کا راستہ روک رہا ہے اسی طبقے کے ہتھیار لے کر اسلام کا دفاع کریں۔ آج سے تقریباً بارہ تیرہ سو سال پہلے یونانی منطق کو علماء اسلام نے سیکھا امام غزالی کی المستصفیٰ، امام شاطبی کی الموافقات، امام شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغۃ ان ساری کتابوں سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان علماء نے یونانی علوم و فلسفہ کو استعمال کیا اور اس کو اسلام کا خادم بنا دیا۔ بعینہٖ اسی طرح انگریزی زبان کمپیوٹر اور جدید سائنس سب کے سب کو استعمال کر کے اسلام کا خادم بنانے کی ضرورت ہے۔ (۱۲)

دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں اصلاحات:

ڈاکٹر صاحب کے خیال میں دینی مدارس کے موجودہ نظام اور موجودہ نصاب میں اوقات ہی کا ضیاع نہیں ہو رہا ہے ، بلکہ وسائل کا بھی ضیاع ہو رہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''ہم آٹھ دس سال ایک طالب علم کو دینی مدارس میں پڑھاتے ہیں۔ ہم اس کو سلم اور سُلّم کی شروح تک منطق پڑھا رہے ہیں۔ ملا جلال، ملا مبین اور جتنی شروح منطق پر لکھی گئیں وہ اکثر طلبہ پڑھتے ہیں، جو شاید کسی زمانے میں ہمارے ریاستی، اجتماعی اور سماجی نظام میں اہمیت رکھتے ہوں۔ لیکن آج اگر کسی دینی درس گاہ سے ایک سال میں سو طالب علم فارغ ہو رہے ہوں، تو ان سو میں سے نوے طلبہ وہ ہیں جو کسی مسجد کی امامت اختیار کرتے ہیں یا مؤذن بنتے ہیں۔ ان کو پوری زندگی میں، سلم اور سُلّم کے مسائل، معاملات پر غور کرنے کی نہ ضرورت پڑتی ہے اور نہ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک آدمی بھی سوال کرتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جو سوالات روزانہ ایک امام مسجد سے کیے جاتے ہیں، ان سوالات کا جواب اس کے پاس نہیں ہوتا۔ اس سے پوچھا جاتا ہے کہ ''جب سود ختم ہو جائے گا تو پھر نظام کیسے چلے گا، کیونکہ پاکستان کی سپریم کورٹ نے بھی فیصلہ دے دیا ہے؟ ڈیفنس سیونگ کا کیا ہوگا؟ این آئی ٹی یونٹ میں جو فلاں تبدیلی لائی گئی ہے اس کے نتیجے میں یہ جائز ہیں کہ ناجائز؟ جسمانی اعضاء کی تبدیلی اور پیوند کاری حرام ہے یا حلال؟

روزمرہ کے ان مسائل کے بارے میں دینی مدرسے کے طالب علم کی کوئی تیاری نہیں ہوتی اور جو مسائل کبھی پیش نہیں آنے والے، ان پر ہم اس کے آٹھ سال ضائع کروا دیتے ہیں۔ جو اساتذہ ملا جلال اور ملا مبین کے ازکار رفتہ اور فضول مباحث کی تدریس میں مصروف ہیں، یا تحریر سنبٹ اور سوال کابلی اور سوال باسولی کے اعتراضات اور ان کے جوابات طلبہ کو رٹواتے ہیں، وہ سوچیں کہ کس مسجد اور کس خطبہ میں ان امور کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہاں کے اساتذہ اس کام کی جو تنخواہیں وصول کر رہے ہیں اور وہ تنخواہیں عامۃ الناس کے چندے سے آ رہی ہیں اور جو اللہ کی طرف سے ایک طالب علم کے پانچ سال، منطق کے ان ازکار رفتہ اور غیر متعلقہ مسائل کو یاد کرنے کے لیے صرف کروائے جائیں، ڈاکٹر صاحب کی رائے میں ایسی تعلیم دین اسلام کا مقصد نہیں ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ وہ ان علوم کی افادیت کا قائل نہیں۔ بلکہ وہ ان علوم کی افادیت کے پورے طور پر قائل ہیں، لیکن ان حضرات کے لیے جن کو محقق بننا ہے، جن کو مصنف بننا ہے، جن کو اعلیٰ سطح کا مدرس بننا ہے۔ (۱۳)

ڈاکٹر صاحب کی رائے میں دینی مدارس کے نظام میں اس طرح تبدیلی کی ضرورت ہے کہ ابتدائی تین یا چار سال ضروری دینی علوم، عربی زبان، صرف، نحو اور بقدرِ ضرورت منطق پڑھائی جائے۔ منطق کی ایک یا دو کتابیں جن سے منطق کا اسلوب طالب علم کے سامنے آ جائے اور وہ قدیم کتابیں سمجھنے کے قابل ہو جائے۔ اسلامی نظام پر بحیثیت مجموعی نظر، دورِ جدید

کے بعض مذاہب اور نظریات وغیرہ اس کو پڑھائیں۔ چار سال کے بعد اسے گریجویٹ سطح پر لے آئیں۔ اس کے بعد پھر جو طلبہ محقق بننا چاہتے ہوں، اسلامی علوم وفنون میں ایک تعمق حاصل کرنا چاہتے ہوں، ان کو منطق اور فلسفہ اور اصولِ فقہ کی اعلیٰ ترین کتابیں اور جو مزید ان کو پڑھانا چاہیں ان کو پڑھائیں۔ ایسے طالب علم پر وسائل خرچ کرنا پڑیں گے، اس پر صلاحیت بھی صرف کرنا ہوگی اور وقت بھی صرف کرنا ہوگا۔

آج کل ہوتا یہ ہے کہ ایک طالب علم جسے کسی چیز کی بالکل کچھ سمجھ نہیں آتی وہ اور ذہین ترین طالب علم دونوں ایک سطح پر اٹکے رہتے ہیں۔ ذہین طالب علم اس کے ساتھ بندھا رہتا ہے، وہ آگے نہیں بڑھ پاتا۔ اور جو کند ذہن طالب علم ہوتا ہے اس کے آگے بڑھنے کے امکانات ویسے ہیں بہت کم ہوتے ہیں، یوں دونوں کی صلاحیت اور وقت ضائع ہوتا ہے۔ اگر یہ طے کرلیا جائے کہ جو طالب علم معمولی صلاحیت رکھتا ہے تو اس کو اچھی تجوید اور قرآن پاک سکھا دیں، حفظ کروا دیں، کچھ بنیادی نوعیت کے مسائل یاد کروا دیں اور اس کو صرف موذنی اور تجوید وتدریس قرآن کے لئے تیار کرلیں۔ جو طلبہ ذرا ذہین ہوں ان کو مسجد کی امامت اور خطبہ کے لئے تیار کریں۔ ایک امام مسجد کو جن فقہی مسائل سے سابقہ پیش آئے گا، ایک مسجد کے خطیب کو تقریر کرنے کے لیے جو مسائل جاننے چاہئیں، وہ چار پانچ سال میں پڑھا دیں۔ اس کے بعد اس سے کہیں کہ اب جا کر امامت کرو۔ اتنی دینی تعلیم کے بعد یہ لوگ اس قابل ہو جائیں گے کہ جا کر مسجدیں سنبھالیں۔ مطلب یہ کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کی دینی زندگی کے لیے واقعی تیار کیا گیا ہو۔ اس کے بعد جو لوگ دینی مدارس میں مدرس بننا چاہیں، مختلف علوم وفنون میں محقق بننا چاہیں، ان سے یہ طے کرلیں کہ وہ کن علوم وفنون میں، کن میدانوں میں استاد بننا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر غازی مرحوم کے مطابق آج ہمیں دینی تعلیم کی ان تینوں سطحوں اور ضرورتوں کو سامنے رکھ کر نئے نصابات کی تدوین کی ضرورت ہے۔ آج دینی علوم کے اعلیٰ محققین کی تیاری کے لئے ہمیں تخصص Specialization کی ضرورت ہے۔ اگر ہم یہ طے کرلیں کہ جن کو مدرس بننا ہے ان کا تخصص اگر علوم نقلیہ میں ہے تو وہ علوم نقلیہ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب وغیرہ میں تخصص کرلیں۔ علم حدیث، علم تفسیر وغیرہ کے ساتھ ساتھ بقیہ علوم نقلیہ بھی ان کو پڑھائیں، اور ان میں بھی ضروری مہارت پیدا کریں۔ اس کے لیے موجودہ سند عالیہ اور شہادۃ عالمیہ کے لیے تین چار میدان متعین کیے جا سکتے ہیں۔ جو طلبہ مناظرہ یا تبلیغ اسلام میں دوسرے مذاہب پر تحقیق کا میدان منتخب کرنا چاہتے ہیں، ان کو تقابل ادیان اور متعلقہ چیزیں پڑھا دیں۔ جو طلبہ دورِ جدید میں اسلام کے معاملات میں تخصص حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کو اقتصادیات، معاشیات زیادہ بہتر انداز میں پڑھا دیں۔ مسلمان فقہاء نے علم الاموال کے میدان میں، کتاب الاموال اور کتاب الخراج میں اور اس طرح کی کتابوں میں جو لکھا ہے، اس سے طالب علم کو واقفیت ہو جائے اور معاملات کی فقہ گہرائی کے ساتھ اس کو پڑھا دی جائے۔ اس

طرح سے اگر ہم چند متخصصین پیدا کرلیں تو کم وسائل سے زیادہ بہتر انداز میں، افراد کا تیار کرسکیں گے۔(۱۴)

دینی مدارس میں تخصص اور اعلیٰ تعلیم وتحقیق:

ڈاکٹر غازی کی رائے یہ ہے کہ مدارس کے ذہین طلباء کے لئے تخصصات کے مواقع فراہم کرنا اور ان کے لئے اسلامی علوم وفنون میں اعلیٰ تعلیم وتحقیق کا انتظام کرنا وقت کی اہم اور فوری ضرورت ہے۔آپ کے خیال میں دینی مدارس میں تخصصات کے شعبے قائم کیے جائیں لیکن ان شعبوں کا مقصد درج ذیل قسم کے اصحاب کی تیاری ہونا چاہیے:

۱۔ نمایاں اسلامی علوم (تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، اسلامی معاشیات) کے اعلیٰ مضامین کی تدریس کے لئے ایسے اساتذہ کی تیاری جو ان مضامین کی اعلیٰ سطح پر کماحقہ تعلیم دے سکیں اور دینی مدارس کے طلبہ کو آنے والے چیلنجوں اور خطرات کا سامنا کرنے کے لئے تیار کرسکیں۔

۲۔ ایسے علماء کرام کی تیاری جو ملکی جامعات اور عصری تعلیمی اداروں میں اعلیٰ سطح پر اسلامی علوم کی تدریس کی ذمہ داریاں کامیابی سے انجام دے سکیں، اور وطن عزیز میں نفاذ اسلام کے عمل کی مؤثر رہنمائی کرسکیں۔

۳۔ ایسے اہل علم اور اصحاب تخصص کی تیاری جو اسلامی علوم کے بارے میں پیدا کی جانے والی بدگمانیوں اور اسلامی عقائد واحکام کے بارے میں کیے جانیوالے اعتراضات کا مدلل اور تسلی بخش جواب دے سکیں۔

۴۔ ایسے اہل علم کی تیاری جو اپنی عمیق دینی مہارت کی بنیاد پر مغربی علوم وفنون کا ناقدانہ جائزہ لے سکیں اور مغربی افکار و تصورات کا اسلامی شریعت کی روشنی میں تنقیدی مطالعہ کرکے ان کے رطب ویابس کو الگ الگ کرسکیں۔(۱۵)

ڈاکٹر غازی نے دینی مدارس کے فاضلین کے لئے تخصص کے مختلف میدانوں کی وضاحت کی۔آپ لکھتے ہیں کہ یوں تو تخصص کی ضرورت مختلف میدانوں میں ہے لیکن خاص طور پر درج ذیل شعبوں میں تخصص کی ضرورت آج انتہائی شدید ہے:

۱۔ تفسیر اور علوم القرآن
۲۔ حدیث اور علوم حدیث
۳۔ فقہ اور اصول فقہ
۴۔ افتاء اور قضاء
۵۔ عقیدہ اور کلام
۶۔ اسلامی معیشت وتجارت

۷۔ تقابل ادیان

۸۔ فکر جدید اور مطالعہ مغرب

۹۔ اسلام اور اسلامی تہذیب عصر جدید میں

۱۰۔ عربی زبان وادب

تخصص کا پروگرام کسی صورت میں بھی تین سال سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ ان تین سالوں میں ابتدائی دو سال باقاعدہ نصابات اور مقررہ کتب کی تدریس کے لیے وقف ہوں، اور تیسرا سال تحقیقی مقالہ اور اپنے موضوع سے متعلق چند مضامین کی، جن کی تعداد دو یا تین سے زیادہ نہ ہو، تدریس پر مشتمل ہونا چاہئے۔

تخصص کی سطح پر متعلقہ میدان میں مغربی مفکرین نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے طلبہ کو گہری واقفیت ہونی چاہیے۔ امید کی جانی چاہیے کہ تخصص تک پہنچنے والے تمام طلبہ انگریزی کتب اور تحریروں سے بسہولت استفادہ کرنے کے اہل ہوں گے۔

تخصص کی سطح پر مضامین، موضوعات اور کتب کا تعین کرنے کے لیے تین معیارات کو پیش نظر رکھنا چاہیے:

۱۔ متعلقہ میدان تخصص کے بارے میں اکابر اسلام کی نمایاں خدمات اور ان کے اساسی کام سے طلبہ براہ راست واقف ہو جائیں

۲۔ متعلقہ میدان تخصص میں جو جو توسعات اور ترقیاں ہوئی ہیں، ان سے طلبہ براہ راست مانوس ہو جائیں۔

۳۔ متعلقہ میدان تخصص کی موجودہ صورت حال پورے طور پر طلبہ کو گرفت میں ہو، یعنی بیسویں صدی میں اس موضوع پر مسلمان اہل علم کا مایاں کام کیا ہے۔ مغربی مستشرقین نے اس بارے میں کیا کہا ہے اور مستشرقین کے اثرات کے تحت دنیائے اسلام میں جو رجحانات پیدا ہوئے ہیں، ان سے کس طرح عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے۔ (۱۶)

ڈاکٹر صاحب مدارس علوم دینیہ کے بارے میں نہایت متفکر رہتے تھے وہ یہ چاہتے تھے کہ اس نظام میں پڑھنے والے طلباء بالخصوص ملک پاکستان میں اور بالعموم پوری دنیا میں خاص کردار ادا کر سکیں، ان کا خیال یہ تھا کہ اس کیلئے کسی بڑے پیمانے کی نہیں بلکہ تھوڑی لیکن مناسب تبدیلیوں کی ضرورت ہے جن میں ایک ضروری چیز زبان ہے۔ مدارس کے طلباء کو عربی اور انگریزی زبانوں کو بالخصوص اور دیگر اہم زبانوں کو بالعموم سیکھنے کی ضرورت ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ زبانوں کو سیکھنے سے معاشرے میں علماء کی افادیت کہیں زیادہ بڑھ جائے گی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کا مقصدِ زندگی صرف اور صرف اسلام کا احیاء اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا اور اسی کے لئے آپ نے اپنی حیات کے لمحات کو صرف کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ آپ کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور آپ کے درجات کو بلند فرمائے، آمین۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ پہلی سالانہ رپورٹ، پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، اسلام آباد، طبع، اکتوبر ۲۰۰۲، ص: ۸۵

۲۔ ایضا: ۸۶

۳۔ (ایضا ۸۸)۔ نیز ملاحظہ ہو، محمد رشید کا مضمون اسلام کے سیاسی وتہذیبی تصورات ڈاکٹر محمود احمد غازی کے افکار کی روشنی میں، ماہنامہ الشریعہ جنوری/فروری 2011 خصوصی اشاعت بیاد ڈاکٹر محمود احمد غازی ص ۳۳۰، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۴۸

۴۔ سلیم منصور خالد، دینی مدارس میں تعلیم، ڈاکٹر محمود احمد غازی کا خطبہ بعنوان، دینی مدارس، مفروضے، حقائق، لائحہ عمل، طبع، iiit، اسلام آباد، ص: ۶۷۔۶۸

۵۔ ایضا: ۶۶، نیز محاضرات حدیث از ڈاکٹر محمود احمد غازی، ص: ۴۳۳

۶۔ پہلی سالانہ رپورٹ، پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، اسلام آباد، ص: 83)

۷۔ سلیم منصور خالد، ص: ۴۷

۸۔ ایضا، ص: ۶۹، نیز ملاحظہ ہو، ڈاکٹر محمود احمد غازی کا مقالہ ,,دینی وعصری تعلیم کا امتزاج، فوائد ونقصانات،، مجموعہ مقالات، تدریب المعلمین، جامعہ دارالعلوم اسلامیہ، ج: ۲، ص: ۱۸۵

۹۔ پہلی سالانہ رپورٹ، پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، اسلام آباد، ص: ۹۰)

۱۰۔ السھیلی: الروض الانف فصل ذکر تعلیم اہل الطائف، نیز، المقریزی، الامتاع ولاسماع۔ ص: ۴۱۸

۱۱۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، ابوالعباس الحرانی، السیاستہ الشرعیہ فی احکام الراعی والرعیہ، ص: ۱۰۷

۱۲۔ سلیم منصور خالد، ص: ۷۲، ۷۳)

۱۳۔ ایضا، ص: ۷۷

۱۴۔ ایضا، ص: ۷۹

۱۵۔ ماہنامہ الشریعہ، جنوری، 2008۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کا مضمون ,,دینی مدارس میں تخصص اور اعلی تعلیم وتحقیق،،

۱۶۔ ایضاً